اردو مثنوی کی ارتقائی تاریخ

Teaching Lecture

Subject : Urdu

Class : B.A. (Hons.) I

Topic : Urdu Masnawi ki irteqai Tareekh

Author : Dr. Fatahullah Quadri

Lecture Series No. : 23

ایک زمانے تک اردو مثنوی کی تاریخ میں ملا وجہیؔ کی ''قطب مشری'' اولیت کا شرف حاصل تھا۔ یہ مثنوی ۱۰۱۸ ہجری میں مکمل ہوئی۔ لیکن جیسے جیسے زمانہ گزرتا گیا نئے انکشافات نے اس نظریہ میں تبدیلی پیدا کی۔ پروفیسر عبدالقادر سروری اپنی کتاب ''اردو مثنوی کا ارتقا'' میں لکھتے ہیں کہ مختصر مثنوی کے قدیم ترین نمونو میں حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر کی چند صوفیاں نہ مثنویاں پائی جاتی ہیں۔ ان کی غزلوں اور مثنویوں کے نمونے حافظ محمود شیرانی کی کتاب ''پنجاب میں اردو'' میں دیکھتے ہیں۔ بابا شیخ فریدالدین شکر گنج ۶۶۴ ہجری کی چند مختصر مثنویاں ملتی ہیں۔

نصیرالدین ہاشمی کی دریافت کے مطابق طویل مثنویوں کا قدیم ترین نمونہ نظامی کی مثنوی ''کدام راؤ پدم راؤ'' ہے، نظامی سلطان احمد شاہ ثالث بہمنی (۸۶۷-۸۶۵) ہجری کا درباری شاعر قبلہ اس طرح ہاشمی صاحب نے تاریخی دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ مثنوی غالباً ۸۶۵ ہجری اور ۸۶۷ کے درمیا لکھی گئی ہے۔

۱۰۱۸ ہجری میں وجہی کی مشہور مثنوی ''قطب مشتری'' شائع ہوئی۔

پروفیسر عبدالقادر سروری نے اپنی کتاب ''اردو مثنوی کا ارتقا'' میں ذکر کرتے ہیں کہ:

''نویں صدی کے اواخر اور دسویں صدی کے اوائل کی قسطبین کی مثنوی ''مرگادتی'' کے علاوہ شیخ عبدالقدوس گنگوہی کہ ملفوظات میں مختصر مثنویاں پائی جاتی ہیں۔ عبد جہانگیر میں شیخ عثمان نے مثنوی ''قانونی'' لکھی۔ گجرات کے ایک بڑے میاں خوب محمد چشتی (۱۰۲۳-۹۴۶) ہجری کی ''خوب ترنگ مشہور مثنوی ہے۔ شاہ میزان جی کی مثنوی ''خوش نامہ'' خجی ۶۰۲ ہجری کی تصنیف شدہ ہے۔ عاشقانہ مثنویوں میں ''کدام راؤ پدم راؤ'' کے بعد ملا وجہی کی ''قطب مشتری'' اور اس کے بعد غواصیؔ کی مثنوی ''سیف الملوک'' اور ''بدیع الجمال'' کو شہرت حاصل ہے، یہ مثنویاں ۱۰۳۵ھ میں لکھی گئی ہے، لیکن ان سب سے زیادہ مشہور اور اپنے دور کی بہترین مثنوی ''چندر بدن و ماہ یار'' ہے جو ۱۰۳۵ھ میں مکمل ہوئی۔

ان تمام مثنویوں میں اپنی ایک انفرادیت پائی جاتی ہے،''قطب مشتری''تشبیہ اور استعاروں میں اپنا جواب نہیں رکھتی، ''سیف الملوک''اور''بدیع الجمال''میں جذبات نگاری کا کمال ہے،لیکن''چندر بدن اور ماہ یار''ہر اعتبار سے مکمل اور اپنے دور کی سحر البیان سے کم نہیں ہے۔قدیم مثنوی کی تاریخ میں مختلف نظریات ہیں۔

مولانا عبدالسلام ندوی اپنی تصنیف''شعر الہند''مین فرماتے ہیں کہ مثنوی کا آغاز مذہبی حیثیت سے ہوا لیکن رفتہ رفتہ عشق کے مضامین داخل ہونے لگے۔

۱۰۶۴ھ میں شیخ احمد جنیدی کی مثنوی''ماہ پیکر''لکھی گئی،اس کے بعد ۱۰۶۸ھ میں نصریؔ نے''گلشن عشق''نامی مثنوی تصنیف کی ہے،اس مثنوی میں کنور منوہر کی پیدائش بھی ایک درویش کے دیئے ہوئے پھول پر ہوئی،نجومیوں نے چودہ سال کی عمر کو خطرناک قرار دیا اور چودہ سال کی عمر میں بالاخانے سے پریاں لے اڑیں،ایسا ہی کچھ مثنوی میر حسن مین شہزادہ بے نظیر کے ساتھ پیش آیا۔

میر تقی میرؔ کی مثنوی''دریائے عشق''کو بھی شرف قبولیت کا درجہ حاصل ہے،ان کی مثنوی کا انداز انتہائی پر اثر ہے،جس میں سنجیدگی پائی جاتی ہے۔

مقدمہ شعر وشاعری میں مولانا حالیؔ فرماتے ہیں:

''میرؔ کی مثنویوں میں عشقیہ مضامین،عام مثنویوں کے برخلاف بے شرمی اور بے حیائی کی باتوں سے مبرا ہیں۔''

اور مثنویوں میں میر حسن کی مثنوی''سحر البیان''۱۱۹۹ھ مطابق ۱۷۸۵ھ میں پایۂ تکمیل کو پہنچی،یہ میر حسن کا بے مثل کارنامہ ہے،اسی کی وجہ سے ان کو شہرت دوام حاصل ہوئی،اس مثنوی کا انداز بیان بہت دلچسپ ہے،زبان نہایت سلیس اور آج کی زبان معلوم ہوتی ہے۔

مولانا محمد حسین آزاد فرماتے ہیں:

''میر حسنؔ مثنوی میں سو برس آگے والوں کی باتیں سنائی دیتی تھیں کہ جو کچھ کہا صاف،وہی محاورہ اور وہی گفتگو ہے،جو اب ہم تم بول رہے ہیں۔''

میر شیر علی افسوس کے مطابق:

''مثنوی سحر البیان''اسم با مسمی ہے،کیوں کہ اس کا ہر شعر اہل ذوق کے دلوں لبھانے کا موہنی منتر ہے،اور ہر داستان اس کی سحر سامری کا ایک دفتر ہے،اس میں فصاحت و بلاغت کا ایک دریا ہے۔

خود میر حسنؔ فرماتے ہیں:

ذرا منصفو داد کی ہے یہ جا
کہ دریا سخن کا دیا ہے بہا

زبس عمر کی اس کہانی میں صرف
تب ایسے یہ نکلے ہیں موتی سے حرف
نئی طرز ہے اور نئی ہے زبان
نہیں مثنوی ہے یہ سحر البیان

الغرض تقریباً ۵ رصدی کی طویل سفر کے بعد اردو مثنوی کی فنکارانہ حیثیت یہ مقام حاصل ہوسکا ہے، اردو کے گنجہائے گراں مایہ میں مثنوی اہم صنف سخن ہے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁